Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر شازیہ شریف
اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، شورکوٹ کینٹ

پریم چند کے افسانوں میں سماجی شعور

Dr. Shazia Sharif
Assistant Professor Government Graduate College for Women, Shorkot Cantt.

Social consciousness in the fictional works of Prem Chand

Prem Chand is called the god of fictional stories. The aspect of social consciousness is vivid in his writings. He peeps into society with deep insight and describes the social & psychological conditions of his characters. The commonness are his central characters. He was associated with progressive movement and wrote under its agenda. His writings are a silent protest against imperialism, colonialism, feudal system and slavery of every kind. His stories pose as a unique blend of idealism & realism. His story "Kaffan" & Jarmana are exemplary in depicting social consciousness. He was a great preacher of harmony & peace in the society. His fictional writings show great advocacy in creating love, tolerance and harmony among Muslims & Hindus. Infact he was a writer of every deprieved human being.

Key Words: Social consciousness, imperialism, realism, slavery.

سماج اور تخلیقی عمل ایک دوسرے کو براہِ راست متاثر کرتے ہیں۔ ایک تخلیق کار سماج کی روایات و تاریخ اور اقدار و تمدن میں جنم لے کر اس کو اپنے شعور و ادراک کا حصہ بناتا ہے۔ پھر اسی شعور کی تنقیدی کسوٹی سے اس کی روایات و اقدار کے منفی پہلوؤں کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ سماج کے اندر تخلیق کار اور تخلیق کار کے اندر سماج پروان چڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ تخلیق کے تخلیق کے تجریدی و روحانی پہلوؤں کے سوتے بھی سماج کی مادی قدروں سے ہی پھوٹتے ہیں۔ ہر یوٹوپیائی دنیا کے بنیاد بھی کسی معاشرے سے انسالک رکھتی ہے۔ تخلیق، تخلیق کار اور تخلیقی عمل آباد دنیاؤں میں سماجی قدروں کے ساتھ ممکنات کا حامل ہوتا ہے۔ کسی بھی تخلیق سے سماج کو منہا کر کے دیکھا جائے تو کچھ نہیں بچتا۔

فن افسانہ نگاری بنیادی طور پر داستان سے انسلاک رکھتی ہے۔ مغربی صنف ہونے کے باوجود اس کو مشرقی داستانوی اسلوب اور لب و لحن متاثر کرتا رہا۔ انسانی سماج کی کتھاؤں نے افسانے میں جگہ پائی۔ اس کا موضوع انسان، اس کا سماج اور ان کا باہم رشتہ ہی رہا۔

مغرب میں چاسر کی کہانیوں سے شروع ہونے والی یہ صنف باقاعدہ طور پر انیسویں صدی میں متعارف ہوئی۔ پھر فرانسیسی اور روسی افسانہ نگاروں نے اسے اپنے شعوری صلاحیتوں سے تخلیق کا حصہ بنایا اور اسے زندگی کا ترجمان بنا دیا۔

اردو ادب میں راشد الخیری کے "خدیجہ اور نصیر" نے اس صنف کو باقاعدہ متعارف کروایا۔ خوش بختی یہ رہی کہ اسے کم سنی ہی میں نواب رائے/دھنیت رائے پریم چند مل گیا جس نے "دنیا کا سب سے انمول رتن" لکھ کر دنیا کے افسانہ میں پہلا قدم رکھا۔ پریم چند دور نو آبادیات میں جنم لینے والے فنکار تھے۔ جن کے سماجی شعور کی بنت میں بدیسی آقاؤں سے پہلے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی و معاشی ابتری اور اس کے اثرات، انگریزوں کے آنے کے بعد کے سماجی و تہذیبی بدلاؤ اور اس کے اثرات، ہندو مسلم مخلوط معاشرت اور اس پر پڑتی مذہب و قوم کی بنیاد پر ہلکی ہلکی دراڑیں، مضبوط جاگیر داری اور نوابی نظام، استحصال پر مبنی معاشی نظام، مذہب و عقیدے کی جکڑ بندیاں، جہالت و مفلسی کے مارے کسان، مزدور، خط کی غریب و بے بس عوام اور اخلاقی اقدار کا تنزل جس نے معاشرتی حسن کو گہنا رکھا تھا۔

پریم چند کا تعلق سماج کے اس طبقے سے تھا کہ جو براہ راست سرمایہ داری اور جاگیر داری جیسے غریب کش نظام سے متاثر ہوتا رہا۔ پریم چند براہ راست عام آدمی کی زندگی کے مشاہد تھے۔ انہوں نے سماج میں اپنے گہرے سماجی شعور کی عینک سے مسائل کا باریک بینی سے جائزہ لے کر اسے اپنی کہانیوں میں بیان کیا۔ "دنیا کا سب سے انمول رتن"

برصغیر پاک وہند میں نوآبادیاتی تسلط کے خلاف اور آزادی و حریت کے جذبے سے لبریز اس خطے کی جذباتی صورت حال کی عکاسی تھی۔ دھرتی ماتا کے تقدس اور اس تقدس کی غیر ملکی آقاؤں کے وجود سے پامالی نے اس علاقے کے لوگوں کی جذباتی و نفسیاتی کیفیات کو کیسے متاثر کر رکھا تھا، کی کہانی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا پریم چند جیسے افسانہ نگاروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایسے افسانہ نگار ارضی پہلوؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور متاثر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کس طرح اس ماحول میں یا اس کے محور یعنی انسان کو افسانے کی بنت میں شامل کرتا ہے یا اسے افسانے میں کس زاویے، ترتیب یا ترجیح کے ساتھ شامل کرنا چاہیے۔۔۔ وہ افسانہ نگار جو فطرتاً یا ایک اور آہستہ رو ہیں زمین پر اتر کر بالکل ہموار سطح سے کینوس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ کینوس کی ارضی سطح پر چلنے کے دوران میں کرداروں کو اپنے بدن سے ٹکراتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف سارا ماحول اپنے تمام تر گوشوں کے ساتھ قاری کے سامنے آجاتا ہے بلکہ اس میں مثالی نمونوں کی بجائے کردار ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور حقیقت نگاری کی روش وجود میں آجاتی ہے۔۔۔ اسی طرح سماجی سائل کی عکاسی کے اعتبار سے خیال انگیز بھی ہو سکتی ہے جیسے پریم چند کی کہانیوں میں۔''(۱)

مہاجنی تہذیب اور ساہوکاری نظام کی خامیوں اور اس کے عام آدمی پر اثرات پریم چند کے ہاں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ''انسان کی قیمت''، ''جریمانہ'' میں غریب مزدوروں اور ساہوکاروں کے ہاتھوں پامال ہونے والوں کی کہانی ہے۔

''آپ کی مل میں جتنے مزدور ہیں سب کا حق مالکان کارخانہ۔۔۔ آپ۔۔۔ پر ہے۔ اور مل والوں کا آپ کا۔۔۔ ان سب کی طرف قرض ہے۔ تھوڑی تھوڑی مزدوری لے کر، بھوکے ننگے رہ کر، صبح سے شام تک محنت شاقہ کر کے وہ آپ کو کس قدر فائدہ پہنچاتے ہیں۔ مگر اس کے عوض آپ انہیں کیا دیتے ہیں؟''(۲)

سماج میں بکھری محرومیوں اور معاشی استحصال جسے معصوم اور بے شعور عوام اپنی تقدیر سمجھے بیٹھی ہے اور مذہب و سیاست کے رہنما و مصلح صبر و توکل کی دولت سے اسے ماندر کھتے ہیں کہ فکر و سوال پیدا ہی نہ ہو سکے۔ افسانہ جریمانہ کا اخری فقرہ اس معصوم عوام کی معصوم بے بسی کا اظہار ہے جو صرف سماجی شعور رکھنے والا افسانہ نگار ہی کر سکتا ہے۔ اللہ رکھی پہلی مرتبہ پوری اجرت پانے جس حیرانی سے استعجاب کرتی ہے۔

''یہ تو پورے روپے ہیں''

خزانچی پوچھتا ہے ''تو کیا چاہتی ہے کم ملیں۔'' تو وہ اسی معصومیت اور بے ساختگی سے سمجھتی ہے۔

''کچھ جریمانہ نہیں ہے''

یہ خوب، بے بسی اور خاموش احتجاج کی علامت ہے جو کہانی کو جاندار بنا دیتا ہے۔''(۳)

پریم چند ایسا انسان دوست فن کار ہے جس کا آدرش آزادی، انصاف اور صداقت رہا۔ وہ استعماری طاقتوں کے استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے اپنے سماج کے افلاس زدہ انسانوں کے نمائندہ بنے رہے۔ وہ زندگی کی بے رحمی، تلخی اور سنگلاخ حقیقتوں کے نباض تھے۔ ان کی تحریر کا سحر ان کے رومان و حقیقت کے امتزاج میں بھی پوشیدہ ہے۔ ان تضادات میں ہی حسن پوشیدہ ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے نقیب تھے جنہوں نے اپنی تحریروں مُس جاگیرداری نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ان کے کردار باغی نہ سہی مگر حقائق کی سنگینی اور حالت زار کا بیان بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔ وہ صنعتی نظام کو جاگیرداری پر فوقیت ضرور دیتے تھے تاہم صنعتی نظام میں مزدوروں کے معاشی استحصال پر نوحہ کناں بھی رہے۔ آزادی و حریت کا جذبہ اور دھرتی ماتا سے عشق ان کے ہندوستانیت کے عنصر کی دلیل ہے۔ ان کے ہاں مشرقیت اور ہندوستانیت کے تہذیبی، سماجی، ثقافتی اور مہاجنی تہذیب کے سہارے پہلو موجود ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد انہیں پہلا ''سماجی واقعیت نگار'' سے معنون کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد پریم چند کے افسانوں میں سماجی شعور کی کھوج یوں لگاتے ہیں۔

''پریم پچیسی'' کے دو برس بعد ''پریم بتیسی'' شائع ہوا۔۔۔ ''شعلہ حسن'' کی فضا میں ماورائی عناصر کی موجودگی کے باوجود سماجی نقوش کا ارتعاش افسانے کی تاثیر بڑھا دیتا ہے۔ عیش گڑھ کی رانی تحریص و ترغیب کی مسند پر بیٹھ کر حاجت مندوں کو جس طرح جواب لکھواتی ہے۔ وہ مصنف کے سماجی شعور کو ظاہر کرتے ہیں، بیٹی کے جہیز کے اخراجات سے خائف باپ کو یہ مشورہ کہ وہ ستر سال کے بوڑھے سے بیٹی کی شادی کر دے۔ غریب وکیل کو یہ مشورہ کہ وہ جعلی دستاویزیں بنائے اور فرضی موکلوں کی طرف سے دعویٰ دائر کر کے ڈگری کرالے وغیرہ۔۔۔ تاہم ''بیٹی کا دھن'' میں مہاجن کے لرز اٹھنے کو دیہی معاشرت کی صدیوں سے راسخ قدروں اور گناہ، پاپ یا پن کے تصورات کی قوت کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔''(۴)

بہر حال فن افسانہ نگاری کا یہ خدا اپنے رومان میں بھی اپنے پاؤں ہندوستان اور اس کے سماج سے ٹکائے رکھتا ہے۔ اس کا تخیل بلند ہے۔ تاہم اس کی تخیلاتی دنیا بھی حقیقت کی دنیا کا پرتو رکھی ہے۔ وہ اپنے رومانوی جہان کے تخلیات کو اپنے سماج کے مسائل کے حل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کی مثالیت محض افلاطونی نہیں بلکہ مادے کی دنیا سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ وہ اپنی مثالیت و رومان پسندی کو اپنے سماج کی آزادی اور استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

پریم چند کا ''کفن'' ہندوستانی سماجی و معاشرتی، معاشی و تہذیبی حالات زار کی وہ کتھا ہے جو ہندوستان کی سامراجی اور جاگیرداری نظام کی تشکیل کردہ ہے۔ ''کفن'' پریم چند کا وہ شاہ کار ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صرف یہ افسانہ ہی پریم چند کو زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ سماجی واقعیت نگاری اور حقیقت نگاری کا یہ شاہ کار معاشرت کی اس تہہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں مذہب، معاشی استحصال کار، سامراجی قبیح نظام اور تہذیب کی مدموم اقدار برہنہ ہو جاتی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پریم چند خواتین کو قربان ہونے کے لیے اپنے افسانوں میں تخلیق کرتے ہیں تاہم حقیقت کے عین مطابق یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے مشرقی سماج میں عورتیں جنم ہی قربانیوں اور سمجھوتوں کے لیے لیتی ہیں۔ ''کفن'' کی بدھیا بھی ایسی ہی خاتون ہے جو مادھو اور گھیسو کے گھرانے میں تہذیب و تخلیق کی علامت ہے۔ مگر سماج کی دی ہوئی ناانصافی، معاشی استحصال اور سماجی جبر نے دونوں باپ بیٹے کو جس بے حسی، بے ضمیری اور بے بسی کے قفل میں جکڑ رکھا ہے۔ ان سے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی توقع عبث ہے۔ ساٹھ سالہ وہ کسان ہے جو محنت کے ثمر پانے کے ایقان سے بے بہرہ ہو چکا کیونکہ جاگیرداری نظام میں وہ نسل در نسل مزارعہ ہی رہے گا۔ اسے اس کی محنت کا صلہ نہیں ملے گا۔ اپنی ساٹھ سالہ حیات فانی میں صرف ایک بار ٹھاکر کی بارات پر اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ مادھو ابھی تک اس نعمت سے محروم ہے۔ ''آٹھ'' بدھیا کی دردِ زہ کی آہوں سے زیادہ معنی خیز ہیں۔ افلاس زدہ شکم رشتوں کے تقدس اور افادیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ سماج جو بھوکے کو روٹی اور بیمار کو دوائی نہیں دے سکا مگر مرنے کے بعد کفن دفن کے لیے ثواب اکٹھا کرنے ضرور پہنچ جاتا ہے۔ گھیسو اور مادھو مذہب و اصلاح کے پرچار کرنے والوں کے اس نفسیاتی پہلوؤں کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور زندگی میں ملے اس موقع کو ضائع نہیں جانے دیتے اور سماج سے اپنی محرومیوں کا انتقام لے لیتے ہیں۔

''مرتے وقت ہماری بندی کی سب سے بڑی لالسا پوری کر گئی۔ وہ نہ بیکنٹھ میں جائے گی تو کیا یہ موٹے موٹے لوگ جائیں گے جو گریبوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں اور اپنے پاپ کو دھونے کے لیے گنگا میں جاتے ہیں اور مندر میں جل چڑھاتے ہیں۔۔۔ اور دونوں وہیں کھڑے ہو کر گانے لگے۔

ٹھگنی کیوں نیناں جھمکاوے ٹھگنی۔

سارا مے خانہ محو تماشا تھا۔۔۔ اور آخر نشہ سے بدمست ہو کر وہیں گر پڑے۔''(۵)

''حجِ اکبر'' بھی اسی سماج کا دوسرا چہرہ ہے۔ صدیوں سے خوب صورت اقدار و روایات میں گندھا یہ خطہ سامراجی نوآبادیات کی دی نفرتوں سے قبل امن و رواداری کا گہوارہ ہوا کرتا ہے۔

زیور کا ڈبہ، بیوہ کا ایثار، نمک حلال نوکر، انسان کا مقدمہ قرضہ، عادل کا دل، وہ محبت کی پتلی، وفا کی دیوی، بڑے گھر کی بیٹی پریم چند کی اخلاقی پرچار اور مشرقی تہذیبی حسن کی کہانیاں ہیں۔ ایسے کردار اور حقیقتیں ہندوستان کے سماج کا خوبصورت چہرہ تھے۔

پریم چند نوآبادیات اور اس کے تحت سماجی و تہذیبی بدلاؤ کے اثرات سے بخوبی آگاہ تھے۔ جہاں وہ سامراج سے آزادی کے شدید خواہاں تھے۔ وہاں وہ ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باعث جدید فکر اور مغربی مطالعات کے زیر اثر بھی تھے۔ لیڈری کا پیشہ، ووٹر، انسان کی قیمت، استعفے، انتقام، دہریہ پروفیسر اور الزام جیسے افسانے نوآبادیاتی نظام کے خلاف خاموش احتجاج ہیں جس نے برصغیر پاک و ہند کے سماج کو شدید متاثر کیا ہے۔ زبان و ادب سے لے کر ظروف و لباس، طرز مکافات سے طرز بعام تک سب انگریزی تہذیب سے اثر پذیر ہو رہا تھا۔ مدرسہ و سکول اور جدید تعلیم کے آغاز نے فکر و فلسفہ کو بھی جگہ دی۔ مغربی تحاریک نے ادب و سماج کو متاثر کیا۔ تعلیم نسواں اور حقوقِ نسواں پر بات ہوئی۔ چھاپے خانوں اور پریس نے بہت کچھ بدل دیا۔ ٹیلی گراف اور برقی آلات کی آمد نے مشرقی سماج کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ پریم چند کے ہاں اس سارے بدلاؤ کے قصے موجود ہیں۔ بالخصوص افسانہ ''استعفےٰ'' سامراجی قوتوں کے خلاف برصغیر پاک و ہند کے عام انسانوں کا اعلان بغاوت ہے جو بدیس سے آکر قمامی لوگوں پر حاکم بن گئے ہیں اور اپنی تہذیبی برتری کے زعم میں انہیں احساس کمتری اور احساس محرومی میں مبتلا کر کے ان کی ثقافتی شناخت کے درپے ہیں۔ فتح چند علامت ہے اس شعور کی جواب بلوغت کو چھونے والا ہے۔

”اچھی بات ہے۔اب میں جاتا ہوں۔آج سے میرا استعفیٰ ہے۔میں کل استعفیٰ میں یہ لکھ کر بھیجوں گا کہ تم نے مجھے گالیاں دیں۔اس لیے میں نوکری نہیں کرنا چاہتا سمجھ گئے؟ صاحب!آپ اشیاء کیوں دیت اہے ہم تو بر کھاست نہیں کرتا۔فتح پسند۔اب تم جیسے پاجی آدمی کی ماتحتی نہ کروں گا۔“()

پریم چند ہندوستانی سماج کے باسی اور باریک میں مشاہدہ کرنے والے تھے۔ان کی نظر میں یہاں کی ہولی دیوالی، عید شبرات پر مذہبی رواداری کا حسن بھی تھا اور مذہب کے نام نہاد مصلحین کا مکروہ چہرہ بھی، وہ انصاف اور آزادی و حریت کے متوالے بھی تھے اور سامراج کے مذموم ہتھکنڈوں سے بخوبی آگاہ بھی۔انہوں نے اپنی مثالیت پسندی سے بھی اصلاح کی کوشش کی اور سماجی واقعیت نگاری سے بھی شفاف آئینے کی مانند سب پہلو عیاں کیے۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا،ڈاکٹر، افسانے کا فن، مشمولہ افسانے کے مباحث، مرتبہ ایم اے فاروقی،(کراچی: بک ٹائم،۲۰۱۷ء)،ص ۱۲

۲۔ افسانہ، انسان کی قیمت،پریم چند انمول افسانے، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی،۲۰۱۰ء)،ص ۴۲۸

۳۔ افسانہ، جریمانہ،۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔،ص ۳۳۳

۴۔ انوار احمد،ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،(ملتان: کتاب نگر،۲۰۱۷ء)،ص ۶۷

۵۔ افسانہ، کفن،پریم چند انمول افسانے،(لاہور:عبداللہ اکیڈمی،۲۰۱۰ء)،ص ۳۱۰

۶۔ افسانہ،استعفیٰ،۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔،ص ۴۴۲